''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' ایک نظر میں

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی دنیا کے ممتاز اہل علم ودانش نے گزشتہ صدی کے دوران میں احیائے ملت اسلامیہ اور تجدید دین کے متعلق جو ناقابل فراموش علمی کارنامے انجام دئے ان میں سے ایک مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی کی شہرۂ آفاق تصنیف ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' (یعنی مسلمانوں کے زوال سے دنیا کا کیا نقصان ہوا، یا جیسا کہ اس کے اردو ورژن کا نام رکھا گیا ہے ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'') بھی ہے، اس کتاب کے دنیا کی متعدد زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور ان تراجم کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، اصل عربی نص یا ورژن کے اب تک دو درجن سے زائد ایڈیشن آ چکے ہیں اور کتاب کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے، عالم اسلام کے احیاء و بیداری اور دین اسلام کے ماضی وحال اور متوقع مستقبل کو ایسے پر جوش انداز، عزم مصمم، یقین محکم اور درد دل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے اپنے اور پرائے سب متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، عربی ورژن، جو ایک غیر عرب کی ذہنی کاوش اور قلمکاری کا نتیجہ ہے، بڑا موثر، دلچسپ اور پرکشش ہے کہ خود اہل زبان بھی پڑھ اور سنکر تڑپ اٹھتے ہیں اور مصنف کو داد دئے بغیر نہیں رہ سکتے، صاحب ''فی ظلال القرآن'' سید قطب شہید، مصر کے عظیم فلاسفر ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ اور خطیب از ہر استاذ احمد شرباصی جیسے عظیم وجلیل اہل عرب ''ماذا خسر العالم'' کی تعریف وتحسین میں سب یکساں طور پر رطب اللسان نظر آتے ہیں، وہ جو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے، غیروں پر کتاب کی تاثیر کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ جب لندن کے ایک نشریاتی ادارے نے کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کرنا چاہا اور دو نامور برطانوی مستشرقین کی رائے مانگی تو لندن یونیورسٹی میں شعبۂ مشرق وسطی کے صدر ڈاکٹر بکھنگم نے تو بصد خوشی اس علمی کارنامے کا انگریزی ترجمہ شائع کرنے کی سفارش کر دی مگر کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر سارجنٹ نے لکھا کہ اگر برطانیہ میں کتابوں کے داخلے پر پابندی لگانے کا رواج ہوتا تو میں سفارش

کرتا کہ اس کتاب کے داخلے پر پابندی لگائی جائے! تاہم جب تیسرے سکالر پروفیسر منٹگمری واٹ نے شائع کرنے کی سفارش کی تو کتاب کا انگریزی ترجمہ لندن سے شائع ہوا! اس سے کتاب کی اہمیت اور غیر مسلموں پر اس کی تاثیر کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے!

قابل توجہ یہ ہے کہ مولانا ابوالحسن ندوی کی یہ تصنیف لطیف بیک وقت مسلم اور غیر مسلم قاری کو یکساں جھنجھوڑتی ہے اور ہوش میں لانے کی کوشش کرتی ہے، مسلمانوں کو یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ اسلام سے دور ہو کر کس بلندی سے کتنی پستی میں آ گئے ہیں کس نعمت سے محروم ہو کر کس لعنت میں پھنس گئے ہیں۔ سکون کی دولت لٹا کر طوفان اضطراب میں گھر گئے ہیں، ابدی مسرت سے محروم ہو کر نہ ختم ہونے والے دکھ میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں، وہ اپنے سرمایہ اخلاق و کردار سے تو محروم ہو ہی گئے تھے مگر انہوں نے تو اب دنیا کی اخلاق باختگی کو بھی گلے سے لگا لیا ہے، وہ ساحل مراد کو ٹھکرا کر بے مرادی کے سمندروں میں تھپیڑے کھانے لگے ہیں' وہ سونا تھے مگر اب وہ گندی مٹی میں تبدیل ہو گئے ہیں، خدا طلبی کے ذوق کو چھوڑ کر بے ضمیری کے بحران میں الجھ گئے ہیں، مغربی فکر و ثقافت نے انہیں کیا سے کیا بنا دیا ہے؟ مولانا کے الفاظ ہیں (مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۳۹)

''مغربی تہذیب کے اس عروج کے زمانے میں ہر قوم میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی دنیاوی مشغولیت و انہماک یا دنیا کی محبت و حرص نے ان کی زندگی میں مذہب کے لئے کوئی خانہ نہیں چھوڑا بڑی تلاش و جستجو کے بعد بھی مذہب کی دعوت دینے والے کو ان کے دل و دماغ میں کوئی ایسا چھوٹے سے چھوٹا منفذ نہیں ملتا جس سے دینی اور اخلاقی دعوت ان میں نفوذ کر سکے۔ جس طرح کسی شخص کو موسیقی کے لئے کان اور شاعری کے لئے ذوق لطیف نہ ملا ہو تو اس کے لئے موسیقی کے سارے کمالات اور دنیا کی پوری وجد آفرین شاعری بے اثر و بے سود ہے، اسی طرح جو مذہبی حاسہ سے محروم ہو چکا ہو اس کے لئے پیغمبروں کی پوری دعوت، ناصحوں کا وعظ و تلقین، علم و حکمت، قصص و امثال سب ضائع ہیں، یہ دلوں کی زمین کا سب سے بنجر حصہ ہے جس کو کوئی بارش سیراب نہیں کر سکتی!''

مادیت پرست یورپ اور روحانیت اسلامی سے بیگانی دنیا کا کیا حشر ہونے والا ہے؟ اس کے لئے سابق برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایڈن کا ایک تجزیہ کافی ہوگا جس کا عربی اور اردو ترجمہ مولانا کی اس

کتاب مستطاب کا حصہ بن گیا ہے، مسٹر ایڈن نے اپنی ایک تقریر میں کہا (۳۳۸) تھا:

''جب تک کچھ کیا جائے اور خبر لی جائے، اس دنیا کے باشندے اس صدی کے پچھلے حصے میں غاروں میں زندگی گزارنے والے دنیا کے قدیم وحشیوں کا طرز زندگی اختیار کر لیں گے اور اسی وحشت و بربریت کا دور شروع ہو جائے گا جو ہزاروں سال پہلے دنیا میں قائم تھا کیسی عجیب بات ہے کہ تمام ممالک ایک ایسے ہتھیار (ایٹم بم) سے بچنے کے لئے کروڑوں روپیہ صرف کر رہے ہیں جس سے ہیں تو سب کے سب خائف مگر اسے قابو میں رکھنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں، میں بعض اوقات تعجب سے سوچتا ہوں کہ اگر کسی دوسرے سیارے سے کوئی سیاح اور زائر اس زمین پر آئے تو وہ ہماری اس دنیا کو دیکھ کر کیا کہے گا؟! وہ دیکھے گا کہ ہم سب اپنی بربادی اور ہلاکت کے وسائل تیار کر رہے ہیں اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اس طریقہ کی اطلاع بھی دے رہے ہیں!!''

مولانا نے اپنی اس قابل قدر تصنیف میں دو کام کئے ہیں ایک تو اسلام سے پہلے کی دنیا کا مکمل نقشہ پیش کر کے دنیا کو یہ بتا دیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے جانشینوں نے اس ظلمت کدہ دنیا کو کس طرح بقعۂ نور میں بدل دیا تھا' عدل مساوات اور حسن اخلاق نے جہالت وفساد کے جہنم کو جنت ارضی میں بدل دیا تھا' اعتدال اور توازن کی ایک ایسی فضا قائم ہوگئی تھی جس میں اپنے اور پرائے سب سکھ چین سے رہ سکتے تھے، سب کے ساتھ انصاف، سب کے حقوق محفوظ، کسی کے ساتھ کوئی بے انصافی نہیں، مسلم وغیر مسلم دنیاوی زندگی کے فوائد میں برابر کے شریک ہیں عدل وانصاف اور اعتدال وتوازن کے اس ماحول نے ہماری اس دنیا کو سکون سے آباد ہونے اور دنیا وآخرت کی دونوں زندگیوں کو کامیاب بنانے کا سامان کر دیا تھا!

اس عظیم کتاب کے مصنف نے دوسرا کام یہ کیا ہے کہ مغرب کو اسلام کی آمد سے قبل کے مغربی انسان کی زندگی کا آئینہ دکھا کر اور اسلام کی ادھوری دعوت یعنی اپنی یہ دنیا سنوارو۔ کو قبول کر کے وہ مادیت پرستی کے جس طوفان کو برپا کر چکا ہے وہ سب کو بہالے جائے گا، تہذیب مغرب نے خود غرضی کا جوالاؤ روشن کیا ہے وہ دنیا کو ایک ایسے بے قابو مرکب پر سوار کر چکا ہے جو تباہی کے غار میں اوندھے منہ گرنے والا ہے، دنیا کے اس طوفان میں بہنے اور اس آگ میں جلنے سے نہ بچایا گیا تو یہ ربع مسکون جل کر راکھ ہو جائے

گا اور پھر یہ راکھ بھی کائنات میں بکھر کر رہ جائے گی مغرب کے انسان نے ایٹم بم کا جو جہنم ایجاد کیا ہے مادیت پرست انسان کی خودغرضی اس میں سب کو بھسم کرنے والی ہے، مادیت پرستی اور خودغرضی کا علاج روحانیت اور جذبۂ ایثار کی بیداری وآبیاری ہے جس کے لئے سب کو کسی ضابطہ کی ضرورت ہے جو توازن واعتدال کے ساتھ عدل ومساوات کے اصول بھی عطا کرے، یہ سب کچھ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ضابطہ حیات میں موجود ہے، انسانیت کے لئے نجات کا رستہ یہی ہے، دنیاوی زندگی کو سنوارنے اور پرسکون بنانے کے ضوابط پر مسلم اور غیر مسلم یکساں عمل کر سکتے ہیں بلکہ اس میں کھلا تعاون کر سکتے ہیں بھلائی پر قائم اسی تعاون کا حکم دیا گیا ہے! اسی تعاون سے توازن واعتدال کی فضا پیدا ہو سکتی ہے جہاں سب کے لئے عدل ومساوات کا سامان ہوگا، آج مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے یہ تعاون ضروری ہے تاکہ اس روئے زمین پر پرسکون زندگی ممکن ہو جائے اس کے لئے دوطرفہ اعتماد کی فضا درکار ہے جس کے سہارے وہ تعاون ممکن ہو جائے گا جو سب کو پرسکون دنیاوی زندگی مہیا کر سکتا ہے اور یہی پرسکون دنیاوی زندگی ہے جس کا نہ صرف یہ کہ حضرت انسان یہاں محتاج وآرزومند ہے بلکہ اس اعتماد وسکون کی فضا میں وہ اپنی عاقبت بھی سنوار سکتا ہے جو مقصود حقیقی ہے اور جس مقصود کا بلند ترین درجہ اللہ تعالیٰ کی رضا، رحمت اور بخشش ہے!

مگر اس کا کیا کیجئے کہ مغرب کے انسان - الا ماشاء اللہ - کا تو محبوب ومعبود سرمایہ اور مادیت پرستی کا دیوتا ہے ہی مگر المیہ یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی اس رو میں بہے جا رہے ہیں، اس سرمایہ پرستی اور مادیت کی غلامی نے ہی انسان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور وہ نہ حقائق کو دیکھ سکتا ہے اور نہ سچائی کو ماننے کے لئے تیار ہے یہیں سے وہ خودغرضی جنم لیتی ہے جس نے انسان کو انسان کا دشمن بلکہ انسان ہی نوع انسان کا شکار بنکر روئے زمین کو دکھوں کا گڑھ اور بدی کا گہوارہ بنائے دیتا ہے، انسان کا یہی خسارہ ہے جس سے ''ماذا خسر العالم'' کا مصنف خبردار کر رہا ہے، اور یہ تنبیہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے یکساں ہے۔ مسلمان کو دین حق سے انحراف واعراض نے کہیں کا نہیں چھوڑا اور غیر مسلم تک تو یہ آواز پہنچانے والا کوئی رہا ہی نہیں!

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (مسلمانوں کے پستی میں گر جانے سے دنیا کا کیا نقصان

ہوا؟!) کا بغور مطالعہ کرنے والا- مسلم اور غیر مسلم یکساں طور پر- اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ قافلۂ انسانیت کی قیادت سے مسلمانوں کا انحراف، اعراض اور پستی کے قعر مذلت میں گر جانا دنیا کا واقعی بہت بڑا خسارہ ہے اور اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ عصر حاضر کا انسان راہِ حق سے بھٹک چکا ہے اور اگر کوئی حادثہ، کوئی حسن اتفاق اور کوئی سعی مشکور اسے راہ راست پر نہ لا سکی تو ہماری یہ ''بازی گاہ شیشہ گراں'' اپنی مقدر تباہی سے نہیں بچ سکے گی! یہ کام کسی قسم کی انفرادی، جماعتی یا ریاستی دہشت گردی سے ممکن نہیں! تشدد ہمیشہ تشدد کو جنم دیتا ہے اور دہشت گردی کا نتیجہ ہمیشہ دہشت گردی میں اضافے اور شدت کا باعث ہوتا ہے، اس کے لئے عدل وانصاف اور برابری ومساوات کی ضرورت ہے یہی وہ پیغام ہے جو ہادیٔ برحق رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے! اسی سے محرومی نے انسان کو بے چین اور بے اعتماد بنا دیا ہے! اسی سے انحراف واعراض نے مسلمان کو ذلت وپستی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے اور غیر مسلم دنیا نے مادیت پرستی اور خود غرضی کی آگ بھڑکا کے اس کرۂ ارض کو بھسم کرنے کا سامان کر لیا ہے! اس کتاب کا مقصد بھی اسی حقیقت سے انسانیت کو آگاہ کرنا اور اسی خطرے سے خبردار کرنا ہے اور سید ابوالحسن علی ندوی اپنی اس کتاب مستطاب میں یہی پیغام دینا چاہتے ہیں اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہیں! کتاب کی اثر انگیزی کا یہی پہلو ہے جس سے بعض خداوندان مغرب بدکتے اور اسے پڑھنے پڑھانے سے منع کرتے ہیں بلکہ اس کا داخلہ ہی بند کروانے کا عزم لئے ہوئے ہیں! لیکن اندازہ یہ ہو رہا ہے کہ ابھی قدرت خداوندی نے اس دنیا کو باقی رکھنا ہے اور اس کی مکمل تباہی کا وقت ابھی دور ہے! اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ نام نہاد دہشت گردی کے خلاف مزعومہ جنگ میں جارج بش اور ٹونی بلیئر کو کامیابی نہیں ہو سکی اور دنیا ان کے موقف سے نہ صرف بیزار ہے بلکہ اسے مسترد کر چکی ہے! اس موقف کو مسترد کرنے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ نائن الیون کی اصل حقیقت کے بارے میں باضمیر دنیا شکوک وشبہات کا شکار ہے! کم سے کم یہ بات تو ہے ہی کہ یہ اتنا بڑا ہولناک کام اکیلی نام نہاد القاعدہ تنظیم نہیں کر سکتی تھی! اس میں عالمی صہیونیت اور امریکی سراغ رسانی کے بعض پردہ نشینوں کے نام بھی ضرور ہونگے! اسی لئے تو آج تک نہ تو اس واقعہ کی کسی پولیس کے پاس ایف آئی آر درج ہو سکی ہے، نہ کوئی عدالتی فیصلہ آ سکا ہے اور نہ کوئی تحقیقاتی کمیٹی کام آ سکی ہے حالانکہ ہنری کسنجر جیسے عالمی صہیونیت کے تھنک ٹینک بھی اس اشک شو تحقیقاتی کمیٹی کی سربراہی سے مستعفی ہوتے

رہے ہیں وجہ یہ ہے کہ اس میں صہیونیت زدہ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فرانس کے علاوہ کئی ایک یورپی ملکوں کے دانشور اور مفکر نام نہاد نائن الیون کی صداقت پر شک ظاہر کر چکے ہیں' بس کروسیڈی بش صاحب نے دو لفظی الزام بلکہ تہمت کے بعد اپنی کروسیڈ شروع کر دی تھی جواب افغانستان اور عراق میں پھنس چکی ہے، اسی طرح عراق پر حملے کا منصوبہ نائن الیون کے ڈرامے سے پہلے کا ہے مگر افغانستان کو بزعم خویش مٹی کے ڈھیر میں بدلنے کے بعد صدام پر اسلحہ رکھنے کی تہمت لگائی اور سلامتی کونسل کی اجازت کی بھی پروانہ کی اور عراق کو جا دبوچا! اب جبکہ بش-بلیئر سازش طشت از بام ہو چکی ہے تو دونوں منہ چھپاتے اور بہانے تراشتے پھرتے ہیں مگر ان کی اپنی اپنی قوم بھی ان پر اعتبار نہیں کر رہی دنیا تو انہیں جھوٹا تصور کر رہی ہے اس صورت حال سے جو بات سامنے آتی ہے وہ آج کے باضمیر انسان کا منصفانہ موقف ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ آج کے انسان کے سامنے ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' جیسا مقدمہ پیش کر کے انصاف کی توقع نہ صرف ممکن بلکہ آسان ہو گئی ہے!

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات اور افغانستان و عراق پر امریکی قبضہ کے بعد دنیا بھر کے مسلم عوام نے جس ثابت قدمی، حوصلے اور بیدار مغزی کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی بے حد حوصلہ افزا اور انسانیت کے روشن مستقبل کی امید کی کرن ہے! اس سے پتہ چلتا ہے کہ ماذا خسر العالم اور اس کے دوسرے زبانوں میں ترجمے اپنا کام دکھا رہے ہیں یہ کام اب ہمارا ہے کہ عظیم مصنف کے اس پیغام دلنشین کو دنیا کے ہر گوشے میں عام کرنے کے اسباب پیدا کریں! مسلمانوں کے زوال کے اسباب دنیا پر اب عیاں ہو چکے ہیں اور وہ اس زوال کو انسانیت کے لئے ایک نقصان تسلیم کرنے لگی ہے اور مسلمانوں سے تعاون علی البر کے لئے تیار ہے، یہی اس کتاب کی تصنیف کی غرض و غایت ہے مولانا ابوالحسن کی یہ تصنیف ایک ایسی الہامی آواز محسوس ہوتی ہے جو دوسری عالمی جنگ کی ہولناکیوں کے پیش نظر مسلم اور غیر مسلم دنیا کو ہوش میں لانے کے لئے ایک بروقت صدائے انسانیت تھی اسی وجہ سے یہ کتاب تمام دنیا میں مقبول ہوئی اور نام نہاد نائن الیون کے بعد قرآن کریم کے بعد جن اسلامی کتب کی طرف یورپ و امریکہ میں توجہ مقبول ہوئی ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ کتاب بھی شامل ہے بلکہ سرفہرست ہے، عالمی رابطہ ادب اسلامی کے لیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے! مشرق و مغرب کو قریب لانے اور مسلم و غیر مسلم دنیا کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کا یہ ایک نادر اور فیصلہ کن

مرحلہ ہے! اس کتاب کو اور اس کے تراجم کو آج منصف مزاج مغربی انسان کی پہنچ اور رسائی میں لانے کی اشد ضرورت ہے! یہ اس کتاب کی عملی افادیت کا روشن ترین پہلو ہے اور اس موقع کو ضائع کرنا بھی ایک خسارہ ہوگا!!

یوں گویا مولانا ندوی کی اس منفرد اور مفید کتاب کی اہمیت و افادیت اب دو چند ہوگئی ہے بے شک نائن الیون کے المناک ڈرامے نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور سب انسان اس دل دوز دھماکے پر صرف جاگے ہی نہیں بلکہ لرز اٹھے ہیں، مگر ابھی وہ اس المناک ڈرامے اور انسانیت سوز دہشت گردی کے حقیقی محرکات، اسباب اور اصلی کرداروں کی نقاب کشائی کی نسبت یہ جاننے کے لئے زیادہ بے چین ہیں کہ اس جرم کے لئے فوری طور پر نامزد ہونے اور بلا ثبوت جرم وعدالتی کارروائی اس پر سزا کے بھی مستحق ٹھہرے ہیں وہ کون ہیں، وہ یہ جاننے کے لئے بہت بے چین ہیں کہ جن مسلمانوں نے دہشت گردی کا ناقابل یقین اور محیر العقول کرشمہ دکھا دیا ہے وہ ہیں کون اور ان کی قوت اور جذبہ کا سرچشمہ اور قوت محرکہ کیا ہے؟! اس فوری توجہ اور اہتمام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ماذا خسر العالم جیسی دیگر کتب کے ذریعہ اسلام کو آسانی سے متعارف کرایا جاسکتا ہے خدشہ یہ ہے کہ معلومات کے لئے اس توجہ واہتمام کے خلا کو پر کرنے کے لئے عالمی صہونیت فائدہ اٹھائے گی! یہ خبریں تو عام ہیں کہ قرآن کریم اپنے مختلف تراجم کے ساتھ دنیا کی توجہ کا مرکز ہے، یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور اور سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب قرآن کریم اور اس کے تراجم ہیں! مولانا ندوی کی کتاب کو عام کرنے کا یہ موقع اپنی جگہ مگر اس کے ساتھ مسلمانوں کو یہ کوشش بھی کرنا چاہیئے کہ اس محیر العقول مگر المناک ڈرامے کے ظاہری کردار تو مسلمان بنا دئے گئے ہیں مگر کیا چند سر پھرے نادان! اتنا بڑا کام کر سکتے ہیں؟! اس میں عالمی صہونیت کا کردار کتنا ہے کیونکہ کم سے کم امریکی سراغ رسان اداروں کو تھپکی دیکر سلا دینا تو امریکہ کی پالتو عالمی صہونیت کا کردار رہے ہی، اس المیہ کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے یہود نواز امریکی اداروں نے اپنا اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے اس حادثہ کو ممکن بنانے کے لئے کیا کیا اسباب ووسائل مہیا کئے ہوں گے؟! ''حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے'' کے فارمولے کی رو سے دنیا اس معاملے کی تہ تک پہنچنے کے لئے سرگرداں تو ہے مگر مسلمانوں کا بھی فرض ہے بلکہ ان کا حق ہے کہ وہ اقوام متحدہ سے اس حادثہ کی عادلانہ تحقیق کا مطالبہ

کریں اور پھر تمام پردہ نشینوں کے دامن کو تار تار کرنے کے لئے پوری قوت اور تمام وسائل سے کام لیں خصوصا اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ چھوٹتے ہی کروسیڈ کا اعلان کرنے والوں نے تو کھلے عام اس واقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے افغانستان وعراق پر چڑھائی کی ہے مگر اس سے سب سے زیادہ فائدہ عالمی صہونیت کو پہنچا ہے، نام نہاد نائن الیون کے دن اسرائیل کے صہونیوں کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان کے چہرے تمتما رہے تھے بلکہ بعض کی تو غلاظت بھی اچھل اچھل کر زبان پر آرہی تھی! اس سے تمام تر فائدہ شارون نے اٹھایا ہے جس نے فلسطینیوں کو فلسطین سے بے دخل کر کے سو (۱۰۰) دن کے اندر اندر اسرائیل کو یہودیوں کے لئے امن کا گہوارہ بنا دینے کا وعدہ کیا تھا اور وہ اپنی پوری فوجی قوت سے نہتے فلسطینیوں کو کچل رہا ہے! مگر اس سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا ہے اور ہو رہا ہے! لہذا اس کی آزادانہ اور عادلانہ تحقیقات کا مطالبہ کرنا امت مسلمہ کا فرض بھی ہے اور حق بھی! اس کے حقیقی مستفیدین اور اصل کرداروں کو ننگا کرنا ضروری ہے!!

یہ تو معلوم ہی ہے کہ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بالکل ابتدائی دور کی تصانیف میں سے ہے اور تصنیفی ترتیب میں یہ دوسری کتاب ہے (اس سے قبل صرف وہ ایک مختصری کتاب ''سید احمد شہید'' کے لئے مختص کر چکے تھے!!) لیکن تمام تصانیف میں یہی دوسری کتاب ہی سب سے نمایاں اور سب سے اہم بھی ہے بلکہ یہی وہ شہرۂ آفاق کتاب ہے جس نے تمام آفاق میں اپنے مصنف کا نام روشن کر دیا تھا! مناسب حالات اور فیصلہ کن لمحات میں ایک مناسب ترین اور اثر انگیز تحریر اپنے لکھنے والے کے قلم سے نکل گئی جو نہ صرف یہ کہ خود غیر فانی اور شہرۂ آفاق کتاب بن گئی بلکہ اس نے اپنے فاضل مصنف کا نام بھی دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا! دراصل حضرت مولانا نے یہ کتاب اپنے خون جگر اور جذبۂ ایمان سے لکھی ہے، یہی جذبۂ ایمان اور خون جگر اس کتاب کی جان ہے، مولانا کی ہمت بھی جذبۂ ایمان کی طرح جوش شباب سے سیراب تھی! جذبہ وایمان ہو، ذوق یقین ہو ہمت جواں ہو اور سامنے عمل کا میدان ہو تو پھر ایسے ہی تصنیفی کرشمے جنم لیتے ہیں جیسے کہ یہ کتاب ہمارے سامنے ہے! جذبۂ ایمان کی پیداوار ہے جو جذبۂ ایمان کو ابھارتی اور زندگی بخشتی ہے! مولانا اگر اور کچھ بھی نہ کرتے، کچھ بھی نہ کہتے اور کچھ بھی نہ لکھتے تو صرف ایک یہی کتاب انہیں شہرت عام سے مشرف کرنے اور بقائے دوام کے دربار میں

جگہ دینے کے لئے کافی تھی!

مولانا احیائے ملت اور تجدید دین کے علمبردار تھے، انہوں نے جو کچھ بھی کہا اور لکھا وہ سب کچھ اسی مقصد اور اسی جذبے کے تحت کہا اور لکھا، وہ تمام عمر ہی ایک مخلص داعی اور پر جوش مبلغ کی زبان میں بولتے اور لکھتے رہے ہیں اور ان کی تمام تصانیف کا غالب رنگ یہی ہے چنانچہ ان کی ہر تحریر میں ایک جوش ہے، ایک پیغام ہے، ایک زوردار تاثیر ہے، ایک جذبہ وشوق ہے جو دل کی گہرائیوں سے اٹھتا اور دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے لیکن ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' میں یہ سب کچھ اپنے پورے عروج پر ہے، پوری قوت سے موجزن ہے اور پورے زور سے اثر اندازی لئے ہوئے ہے! شروع سے لے کر آخر تک کتاب کے ہر صفحے بلکہ ہر لفظ سے یہ کیفیت عیاں ہے، ان کا انداز بیان قاری کو بھلا لگتا ہے اور وہ خود بخود ان کے جذبہ وشوق میں ڈوب جاتا ہے اور دل و جان سے ساتھ ساتھ چلنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس قسم کی خشک مضمون کتابوں کو یہ مقام کم ہی میسر آتا ہے مگر مقصد سے لگن، جذبے کی سچائی اور خون جگر اپنا رنگ ضرور دکھاتے ہیں' یہی رنگ ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کو آسان، پرکشش اور روح پرور بنا دیتا ہے!

اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ سید ابوالحسن علی ندوی کو حقیقی شہرت وقبولیت اس کتاب نے عطا کی! ان کی باقی تصانیف کو تو شہرت وقبولیت اسی لئے حاصل ہوئی کہ وہ بھی اس مصنف کی کتابیں ہیں، دنیا نے انہیں اس لئے مانا، محبت کی اور احترام دیا کہ وہ ماذا خسر العالم کے فاضل مصنف ہیں لیکن باقی کتابوں کو ماننے، محبت واحترام دینے اور قبولیت بخشنے کا سبب خود شیخ ابوالحسن تھے جو ماذا خسر العالم تصنیف کر چکے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی باقی تصانیف کسی طرح علمی مرتبہ میں کم تر ہیں بلکہ مقصود صرف فرق کو واضح کرنا ہے۔

یہ بات بھی شاید فائدے سے خالی نہ ہوگی کہ ہم اس کتاب کی مقبولیت اور شہرت کے اسباب اور وسائل پر بھی غور کر لیں، اسباب قبولیت میں سرفہرست مجھے تو یہی نظر آتا ہے جس کا میں نے ابھی ابھی تذکرہ کیا ہے کہ مناسب وموزوں ترین وقت پر اور فیصلہ کن فضا میں اگر کوئی کام انجام پا جائے تو وہ ابوطیب کے اس قول کا مصداق بن جاتا ہے کہ:

اتانی هواها قبل أن اعرف الهوی   فصادف قلبا فارغا فتمکنا!

'' یعنی محبوبہ کی محبت سے میں اس وقت آشنا ہوا جب میں ابھی عشق سے نا آشنا ہی تھا چنانچہ اس قاتلہ کی محبت کو حسن اتفاق سے ایک خالی اور صاف دل میسر آ گیا جس میں وہ اتر گئی'' !

یہ کتاب دراصل وقت کی آواز پر لبیک کہنے کے مترادف تھا اور وقت کی آواز سب کو سننا پڑتی ہے اور جو نہیں سنتے وہ تاریخ کے پردوں میں گم ہو جاتے ہیں! یوں لگتا ہے گویا عالم اسلام ایسی آواز سننے کے لئے منتظر ہی نہیں بے چین بھی تھا یہی نہیں بلکہ دوسری عالمی جنگ کی تباہ کاریوں سے نڈھال پورا عالم انسانیت اس قسم کے پیغام کے لئے سراپا آرزو اور پوری طرح ہمہ تن گوش تھا چنانچہ یہ آواز پہلی بار مصر کے گوشوں میں گونجی اور قاہرہ کی علمی وفکری حلقے اس کتاب کے پیغام کی طرف لپک پڑے، اس طرح ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (مسلمانوں کے زوال سے دنیا نے کیا کھویا) کا جواب سننے اور جاننے کے لئے سب بے قرار ہو گئے، یہی سوال آج بھی دہرایا جا سکتا ہے مگر کچھ لفظی تغیر کے ساتھ کہ ماذا خسر العالم بانحراف المسلمین عن دینہم'' یعنی اپنے دین سے مسلمانوں کے اعراض سے دنیا نے کیا کھویا!) لیکن اس کا جواب پھر بھی یہی ہوگا جو مولانا سید ابوالحسن نے اپنی اس کتاب میں دیا ہے!

کتاب کی مقبولیت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ دوسری عالمی جنگ یورپ نے خود اپنے خلاف چھیڑی تھی مگر اس کا ایندھن زیادہ تر ایشیا اور افریقہ کے غلام انسان بنے تھے، جب جنگ ختم ہوئی تو فاتح یورپ اور امریکہ تھے مگر مفتوح ایٹم زدہ جاپان تھا جو سرزمین ایشیا کا روشن دماغ تھا ایشیا کے انسانوں کو- اور خصوصا جاپانیوں اور مسلمانوں کو- سوائے بربادی اور مایوسی کے اور کچھ بھی میسر نہ آیا تھا اس لئے یہ کتاب مشرق ومغرب کے انسان کو صرف خبردار کرتی ہے مگر مسلمانوں کو تو اس نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور آج بھی اگر ایشیائی انسان کی بے بسی اور مسلمانوں کی مظلومیت کو دیکھا جائے تو یہ کتاب بہت سی بیماریوں کا علاج اور بے اندازہ مشکلات کا حل پیش کرتی ہے! مغرب کے انسان کا بھی اگر ضمیر بیدار ہو اور انسانی اقدار کو صحیح سمجھ لے تو اسے بھی اس کتاب میں اپنے بہت سے سوالات کا جواب اور مشکلات کا حل میسر آ سکتا ہے مگر عالم اسلام کو تو اس کتاب میں سب کچھ میسر آ سکتا ہے اور وہ ایشیا کی اس قیادت کا فریضہ انجام دیکر اسے حرص وآز اور حسد وبغض کی نگاہوں سے محفوظ کر سکتا ہے جس کے لئے شاعر مشرق نے اسے خبردار کیا تھا کہ:

یہ نکتہ سرگذشت ملت بیضاء سے ہے پیدا
کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسبان تو ہے!

تیسرا سبب یہ ہے کہ اخوان کے پہلے مرشد عام حسن البنا کو سر بازار شہید کر دیا گیا اور اخوان پر پابندی لگا دی گئی تھی، مسلمانوں کی سیاسی آواز کو گویا بری طرح دبا دیا گیا تھا، لوگ اسلام کے نئے کردار سے مایوس ہو رہے تھے، یہ کتاب ان کے لئے ایک خوشخبری اور نیا پیغام عمل ثابت ہوئی اخوان کے لوگ ہر جگہ اس کتاب میں محو نظر آئے۔ جسے قیمت سے دستیاب نہ ہو سکی اس نے اسے مانگ کر پڑھا، اخوان کے یہ نیک لوگ عالم عرب میں جہاں بھی گئے سید ابوالحسن کی یہ کتاب اپنے ساتھ لیتے گئے، ہر صاحب درد مسلمان عرب کے لئے یہ کتاب اکسیر حیات سے کم نہ تھی، سب نے اس کی اشاعت کا اہتمام کیا اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی، پھر جب سید قطب شہید اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ جیسے فاضل اخوان نے کتاب کا تعارف وتقریظ لکھی تو پھر یہی کتاب ہر عرب ملک میں الاخوان المسلمون کے لئے رہنما بن گئی، اخوان پر کٹھ پتلی بادشاہ مصر اور برطانوی سامراج کی طرف سے جو ضرب لگی تھی اس نے پوری عرب دنیا پر دہشت وفکرمندی کی فضا طاری کر دی تھی اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ اب مسلمانوں کی عملی زندگی میں شاید اسلام کے لئے کوئی جگہ یا کردار نہیں رہ گیا مگر اس کتاب نے اسلام کو مسلمانوں کے لئے راہ نجات اور انسانیت کے لئے ضرورت ثابت کر دیا اس کے ساتھ ہی اخوان کی دبتی ہوئی آواز کو بھی نئی قوت اور جذبہ عمل کے لئے نئی تحریک میسر آ گئی!

چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب مصنف کے عہد شباب کی یادگار ہے، جب ہمت کے ساتھ جذبہ بھی ٹھاٹھیں مار رہا تھا اسی جذبہ وہمت نے جب ذوق وشوق کے سہارے انتھک محنت کو جنم دیا، اسلام کے ایک مخلص فرزند نے اپنی پوری قوت ایمانی اور ہمت شباب کے ساتھ نور بصیرت اور خون جگر کے چراغ روشن کر دیے تو ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین وجود میں آ گئی، یہی نور بصیرت اپنوں کے لئے چراغ راہ اور دنیا کے لئے بھی نجات کا ایک پیغام بن گیا، یہ کتاب محض جذبات کی رنگینی سے عبارت نہیں تھی بلکہ ٹھوس حقائق اور مستند معلومات کا حسین امتزاج تھا' مسلمانوں نے اسے رہنمائی کے لئے پڑھا اور دنیا نے اسے حقائق تک رسائی کے لئے پڑھنا ضروری سمجھا! حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب کل کی طرح آج بھی وہی اہمیت، وہی کشش

اور وہی پیغام نور کھتی ہے اور یہ امید نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ سید صاحب کی یہ کتاب آنے والے کل میں بھی وہی مقبولیت، وہی کشش اور پیغام زیست ثابت ہوگی اور اس کے اثرات آنے والے زمانوں پر بھی محیط ہونگے، بقول شاعر:

أفلت شموس الأولين وشمسنا

أبدا على أفق العلى لن تغربا!

'' پہلے لوگوں کے آفتاب تو ڈوب گئے مگر ہمارا آفتاب ہمیشہ کے لیے افق پر ہے کبھی غروب نہ ہوگا!''